بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

شریعت بل کے بارے میں میں نے اتنی متضاد اور بے ہنگم باتیں پچھلے دو تین مہینوں میں پڑھیں کہ میرا سر چکرا گیا۔ میں نے کٹنگ جمع کیے اور ارادہ تھا کہ منارِ بابل کی ان ساری بولیوں کو زیرِ بحث لاؤں گا اور تجزیہ کر کے دکھاؤں گا کہ اس قوم کے دانشوروں اور علما نے ایمانی و فکری وحدت باقی نہیں رہنے دی۔ ایمان تو کجا، سنجیدگی، توازن، دلیل، منطق اور شائستگی سے بھی ہمارے جہانِ افکار کو اس کے خداوندوں نے بُری طرح روند ڈالا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ ہم پر جب امریکی اور مغربی دباؤ موجود ہو (ایک طرح کی غلامی) جب روس اور اسرائیل اور بھارت ہمارے خلاف ہوں، جب جاگیرداروں اور وڈیروں کے اشارۂ ابرو سے انحراف کی جرأت کرنے کی تاب کسی میں نہ ہو، جب ہم فرقوں اور دھڑوں کی رسّہ کشی سے دوچار ہوں۔ جب جرائم شنیعہ کا اتنا زور ہو کہ کسی ایک دن کا اخبار یہ انتباہ دینے کے لیے کافی ہو کہ یہ جرم پرور معاشرہ ہے، جب حکومت کے کارفرما عنصر سے لے کر اس کی بیوروکریسی، اس کے چھوٹے چھوٹے دفتری ملازمین اور اس کی پولیس تک ٹیڑھے راستوں پر چلنے پر بضد ہو، جب ہم غیر مسلم اقلیتوں اور قادیانیوں میں گھرے ہوں، جب عیاشی و فحاشی کے مشغلے کھلے بندوں جاری ہوں، جب دولت پرستی کی وبا عام ہو گئی ہو، جب تشدّد کا دور دورہ ہو، جب ہم مغالطہ انگیز بیانوں اور حقیقت کا چہرہ مسخ کرنے والی خبروں میں گھرے ہوں، جب ہمارے ہاں کے دانشوروں کی ایک بڑی تعداد سیکولر نظام

اور مسلمانی بلا اسلام کی شائق ہو، تو ایسے ماحول میں یہ اُمید کرنا کہ کوئی معیاری اور مطابقِ دین کے اطمینان کا شریعت بل یہاں کے ان جمہوری ایوانوں میں پاس ہو سکتا ہے۔ جن کے اراکین کی خاصی تعداد نماز تک نہیں پڑھتی، بعض لوگ قرآن ناظرہ نہیں پڑھ سکتے۔ بعض کی آمدنیاں اور مشغلے غیر حلال قسم کے ہیں، بعض سیاست کی گھوڑا منڈی میں دست بدست بِک سکتے ہیں، تو یہ بڑا دل خوش کُن خواب ہے جس میں ہم مگن ہیں پھر اگر سماجی و سیاسی پریشر سے کچھ باتیں پاس بھی ہو جائیں تو ان کا حشر ویسا ہی ہوگا جیسا قراردادِ مقاصد اور دستور کی اسلامی شقوں کا اب تک ہوا ہے۔

صحیح شریعت بل کا پاس ہونا یا شریعت کا نافذ ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ کارفرما قوت راست بازی اور نیک نیتی سے خدا کی خوشنودی اور رسولِ خدا کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کو پاکستان بھر کے لیے لازم سمجھتی ہو اور دُنیا کی ساری مزاحم قوتوں کی مزاحمت اور ملامت سے بے نیاز ہو کر اور اپنی عادات اور اپنے مفاد سے بالاتر ہو کر طے کر لے کہ خدا اور رسولؐ کی دی ہوئی ایک ایک ہدایت نافذ کی جائے گی، خواہ مخالف طاقتوں کا پیدا کردہ بحران حکومت کو چھوڑ دینے پر ہی کیوں نہ مجبور کر دے۔

لیکن دوسری ضرورت اس بھاری انقلابی عمل کی یہ ہے کہ نیچے معاشرے کی معتدبہ قوت ایسی موجود ہو جو طوع و رغبت سے خدا کے دین اور نظامِ شریعت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے، بلکہ اس کے اثرات کو پھیلائے، دلوں کو اس کے لیے سازگار کرنے کی مہم جاری کرے۔ اور دلیل اور کردار کے زور سے مزاحمتوں کا زور توڑ دے، یہ قوت خاصی حد تک موجود ہو تو پھر نفاذ شریعت یا احیائے نظامِ اسلامی کی بدترین مزاحم قوتیں بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔ اور یہ قوت موجود نہ ہو، یا بہت کم ہو۔ اور ڈاکوؤں اور تخریب کاروں اور خیانت کیشوں اور اسلام سے گریز و انحراف چاہنے والوں کا محاذ پُرزور ہو تو کاغذ پر لکھے ہوئے بہترین بل پر بھی حکومت کرنے والوں کے

انگوٹھے لگوا لینے سے کچھ نہ ہوگا۔

اب تک آنے والی حکومتوں، حکومتی پارٹیوں اور حکمرانوں نے تو نعرۂ اسلام کو شٹل کاک بنا کر بڑا پاکیزہ بیڈ منٹن کھیلا ہے۔ کاش کہ نواز شریف صاحب اس کالک کو دھو سکیں۔ جو ہمارے قومی چہرے پر نہایت گھٹیا تضاد کی لگی ہوئی ہے۔ مگر باتیں ایسی ایسی ہو رہی ہیں کہ جن سے اسی بیماری تضاد کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔

مثلاً:

کوئی صاحب کہیں گے کہ ہم ملاؤں کی حکومت نہیں چاہتے — جواب یہ ہے کہ آج تک تو ملاؤں کی نہیں "مُلّاؤں" کی حکومت رہی ہے۔ ذرا اس لمبے دور کے کارناموں کا چیٹھا تو کھول کر دیکھیے، کیا کیا سیاسی بلنڈر اور کیا کیا خیانتیں اور جبر یتیں اور فریب کاریاں کی گئی ہیں۔ جن لوگوں کا یہ کارنامہ ہو وہ ملاؤں پر کس منہ سے برستے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ کوئی "مُلّاؤں" کے کرتوتوں پر توجہ نہ کرے۔ اچھا آپ کی مانتے ہیں، آپ یہ طے کر لیجیے کہ دینی طبقوں کے کسی آدمی سے کوئی کام نہیں لینا ہے۔ دوسری طرف یہ طے کر لیجیے کہ ایسے غیر ملّا لوگ آگے آئیں جو پابندِ عبادات ہوں، علومِ دین، خصوصاً قانون میں مہارت رکھتے ہوں، شراب، قمار، سود، بدکاری، خیانت سے مبرا ہوں۔ ان کا باقاعدہ ٹسٹ لے کر شرحِ صدر سے سونپ دیجیے سب کچھ انہیں۔ مشکل یہ ہے کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ جتنے بگاڑ آپ نے اختیار کر لیے ہیں ان سب کے ساتھ، بغیر علمِ دین اور عملِ دین آپ کو نفاذِ اسلام کا کام خود اپنے ہاتھوں کرنا ہے۔ کیجیے۔

بس اتنا خیال رہے کہ سامراج دشمن اور جہاد کیش طبقے کے لوگوں کو انگریز نے جو گالی "مُلّا" کی دی تھی، اُسے تاریخ کے اُگالدان سے اُٹھا کر اپنے منہ میں نہ رکھیے۔ نئی گالی ایجاد کر لیجیے۔

کوئی صاحب کہیں گے کہ شریعت آئی یا اسلام آیا تو تفرقہ پھیل جائے گا۔ گویا اس

وقت تو صوبائیت اور لسانیت اور نسلیت جیسے جھنڈوں تلے جو فتنے پھیلے ہوئے ہیں اور جو طبقاتی تضاد اور تصادم موجود ہیں۔ وہ تو گویا عین اتحاد کا نمونہ ہیں۔ کوئی مغرب پرست، کوئی روس پرست اور کابل پرست، کوئی بھارت پرست، سب ٹھیک یا بس اسلام آیا تو معاملہ ٹھپ ہو جائے گا۔

کوئی کہتا ہے کہ ہم تو قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کا اسلام مانتے ہیں۔ گویا ان سے پہلے تو اسلام تھا ہی نہیں۔ یا تھا تو صحیح شکل میں نہ تھا۔ اسلام خدا و رسولؐ کا دین ہے، اس حوالے سے اسے کتاب و سنّت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ تمام علماء، دانشوروں اور لیڈروں کے فرمودات جبھی قابلِ قبول ہوتے ہیں کہ وہ خدا و رسولؐ کے دین کے صحیح تصور تک پہنچا دیں۔

کوئی کہتا ہے کہ ٹیکنالوجی کے زمانہ ترقی میں شریعت کے نفاذ کے معنی ترقی کی گاڑی میں روڑے اٹکانے کے ہیں۔ جی ہاں، اصل دین تو سائنس اور ٹیکنالوجی اور مادّی ترقی ہے۔ اسلام تو بس ایک سجاوٹ کی کلغی ہے جو دستار یا بالوں کے جوڑے میں اُڑس لی جائے۔

آپ ٹریکٹر کا کارخانہ لگائیں تو کیا لازم آتا ہے کہ ترکِ صوم و صلوٰۃ کریں۔ ہوائی جہاز اُڑائیں تو دیانت و شرافت کی قدریں ختم کر لیں۔ ایٹمی انرجی پر کام کریں تو قانونِ سرقہ کو ضرور توڑیں۔ آخر ٹیکنالوجی اور ترقی کے سامنے اسلام کو آپ متصادم کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ — پہلے جب عروجِ اسلام کا دور تھا تو اُس عہد کے مطابق ساری ترقیاں رُک گئی تھیں۔ برتر جنگی قوت اور اسلحہ کے بغیر مسلمان آدھی دُنیا کو فتح کرتے چلے گئے۔ اور مدرسے، ہسپتال، رصدگاہیں اور علوم و فنون میں ریسرچ کے وہ کام انہوں نے کیے جو آج کی ٹیکنالوجی کی بنیاد ہیں۔ پھر جب مسلمان اسلامی لحاظ سے پستی میں گرے تو نہ ٹیکنالوجی میں کوئی کارنامہ کر سکے، نہ معاشی ترقی، نہ قیامِ وحدت،

ع "مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے!"

آپ شاید اس ذلیل حالت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ صرف نعرے ٹیکنالوجی اور ترقی

کے لٹکتے رہیں گے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ تمدنی زندگی کی پہلی ضرورت صفائی ہے۔ آپ کا صفائی کا معیار کیا ہے؟ آپ چلے ہیں آسمان ترقی پر کمندیں ڈالنے۔

کوئی کہتا ہے کہ دستور اور پارلیمنٹ کی بالادستی ختم ہو جائے گی، یعنی خدا اور رسولؐ کی برتری کو ماننے سے انکار ہے۔ خدا جس نے ضابطہ ہدایت دیا اور جس کی حاکمیت اور قانون کو ہم نے دستوری طور پر پہلے سے تسلیم کر رکھا ہے۔ رسولؐ جس نے میثاقِ مدینہ اور خطبۂ حجۃ الوداع کے ڈیکلریشنز کے علاوہ قرآنی تقاضوں کی عملاً تفسیر پیش کی، اور بہت سے احکام تحریری طور پر جاری کیے۔ اور بقیہ فرمودات کا ریکارڈ موجود ہے، جس کی ہر روایت کو اسناد و درایت کے لحاظ سے چیک کیا جا چکا ہے۔

یہ تو وہی بات ہوئی (قوم شعیب والی) کہ ہم اپنے اموال اور کاروبار میں جس طریقے سے چاہیں کام لیں، تمہاری دعوت اور نماز کو اس سے کیا تعلق!

ہمارے لوگ بھی اپنی عادات، خواہشات اور معمولات کو دین و شریعت کی زد سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔

سیدھا سا سوال یہ ہے کہ خدا بڑا مانا جائے گا یا مملکت کا صدر یا اسی طرح رسولؐ کو بالاتر سمجھا جائے گا یا وزیراعظم کو؟ (یا ساری پارلیمنٹ کو)

مسلمان ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی شخص نے خدا اور رسولؐ کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا۔ اب اس کے باپ کا مقام بھی خدا اور رسولؐ سے ادنیٰ رہے گا۔ یہی صورت کسی قوم کی ہے، اگر وہ خدا کی حاکمیت، اس کے قانون اور اسوۂ رسولؐ کو بالا مانتی ہے تو پھر اسی ایمان پر اس کا سارا دستور مرتب ہوگا یا اس کی تعبیر اس کے مطابق کی جائے گی۔

نہیں ماننا تو نہ مانو، لیکن یہ فلسفہ کیا ہوا کہ پارلیمنٹ یا دستور خدا و رسول کے دین کے تابع ہو جاتے ہیں اور یہ امر ناممکن التصور ہے، کیوں ناممکن التصور ہے؟

ایک بات اور کہی جاتی ہے جیسے وزیر اعظم صاحب بھی بلاضرورت اپنی تقریر میں کہہ گئے کہ فنڈامنٹلزم کا خوف ہے۔ حالانکہ فنڈامنٹلزم عیسائیوں کی باہمی چپقلش کے درمیان مدتوں پہلے یہ گالی ایجاد ہوئی تھی کہ فلاں فنڈامنٹلسٹ ہے۔ حال ہی میں جب امریکہ نے یہ محسوس کیا کہ ملاازم اور رجعت پسندی وغیرہ کی گالیاں مسلمانوں کے حلقوں میں اب بے وقعت ہوچکی ہیں تو انھوں نے اپنی عیسائیت کی تاریخ سے نکال کر ایک نئی گالی ہمارے سر مڑھ دی۔ اب ہم دو دھڑے ہو گئے۔ ایک کہتا ہے کہ ہم فنڈامنٹلسٹ نہیں ہیں۔ (امریکہ اور مغرب کہتے ہیں کہ شاباش!) دوسرا کہتا ہے کہ ہم فنڈامنٹلسٹ ہیں (اُدھر سے سرگوشیاں سنائی دیتی ہیں کہ ہم مسلمانوں ہی کے ذریعے تمھیں کچلوا دیں گے۔) چنانچہ اب مغرب پرست مسلمانوں کی زبانوں پر یہ گالی چڑھ گئی ہے (زندہ باد امریکہ!) کاش کہ ہمارے لوگ سوچیں کہ ایک پرائی اصطلاح نے ہمیں لڑا دیا۔ ہم اپنی حقیقت کو اپنی اصطلاحوں میں کیوں نہ بیان کریں۔ اوّل تو اس کے معنی ہی ہمارے ہاں غلط لیے گئے ہیں اور وہ بھی مغرب ہی کے فرمودات کا ترجمہ کر کے (خصوصاً بی بی سی کے ہم بڑے احسان مند ہیں)۔ ہمارے ہاں "خدا پرست" کے علاوہ کسی اور اسم کے سامنے "پرست" کا لفظ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ صریحاً شرک ہے۔ ہم کسی کو محبِ وطن تو کہہ سکتے ہیں لیکن وطن پرست نہیں کہہ سکتے۔ صرف اتنا استثنیٰ ہے کہ جب تارکِ اسلام یا اسلام بگاڑ لوگوں کو مغرب پرست یا اغیار پرست کہا جاتا ہے تو اُس کے معنی حقیقت میں ہوتے ہی یہی ہیں کہ کچھ لوگوں نے خدا پرستی کا راستہ چھوڑ کر مغرب پرستی یا دولت پرستی، یا جنس پرستی یا عیش پرستی یا اقتدار پرستی کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ مدعا یہ ہوتا ہے کہ کسی غلط رجحان میں حد درجہ غلو پیدا ہو گیا ہے اور چاہت کا غلو ہی پرست تک پہنچاتا ہے۔

پابندِ ایمان و اسلام لوگ اگر اپنے مقام کو بیان کرنا چاہیں تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسلام کی بنیادی حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم ایمان پسند لوگ ہیں یا اُصول پسند لوگ ہیں یا سچی اسلامیت کے علمبردار ہیں، وغیرہ۔ اس بارے میں میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں

کہ قدرت اللہ شہاب نے شہاب نامے میں، ممتاز مفتی نے کسی مضمون اور نصر اللہ خاں (کراچی) نے تکبیر کے کالموں میں نہایت زور سے اس بات کا اثبات کیا ہے کہ ہم اسلام کے اُصولوں اور اُس کی بنیادوں پر محکم یقین رکھنے کی وجہ سے پکے فنڈا منٹلسٹ ہیں ——
مخالفین کی اصطلاحوں کے جادو کا فوراً شکار ہوجانا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا ۔ مثلاً کل دشمن کہیں کہ مسلمان تو وہ ہوتا ہے جو احمق ہو تو گویا ہم فوراً اسلام سے توبہ کرنے کے لیے کان پکڑیں گے ۔ جیسے کچھ عرصہ پیشتر وہ جنونی (FANATIC) بھی کہتے تھے ۔ اِن ساری گالیوں کا مقصد یہ ہے کہ ہماری نگاہوں میں شرافت و عزت حاصل کرنے اور مادی فائدے اُٹھانے کے لیے اُس اسلام سے اجتناب کرو جو اجتماعیت کی سطح پر آکر نظام اور قانون کی شکل اختیار کرنا چاہتا ہے ۔
سوچیے کہ ہماری کتنی وفاداری ہے دشمنانِ خدا و رسولؐ اور اعدائے ملّت سے کہ جو وہ کہیں اُس پر آمنا وصدّقنا !
کسی بھی شریعت بل اور اسلامی دستور یا پروگرام کو اختیار کرنے سے پہلے اس ذلیل اعداء پرست ذہنیت کا خاتمہ کرنا چاہیے جو ہمارے گلے کا پھندا بنی ہوئی ہے ۔ ہمارے دین اور نظریات اور دستور اور قانون پر طنزیہ جملے کہہ کر یا دشنام طرازیاں کر کے یا ہمیں احمق اور رجعت پسند اور ملّا اور جنونی قرار دے کہ ہمارا نظامِ ہدایت معین کرنے کا کام اسلام دشمن طاقتوں اور شیاطینِ جن و انس کا نہیں ہے ۔ یہ فیصلہ ہم خود کریں گے کہ ہم کیا ہیں ؟ ہمارا ایمان کیا ہے ؟ ہماری زندگی میں سپر یرلا اور سپریا ور فی الحقیقت کونسی ہے ؟ ہمارا بہ حیثیت مسلمان فریضہ و نظام کیا ہے ؟ دشمن گالیوں کی ناوک اندازی یا میزائل باری کی بوچھاڑ کر دیں، مگر ہم اپنے دینی علَم کی سربلندیوں کا فریضہ تو ادا کرتے ہی رہیں گے ۔
جو لوگ اپنے دین پر ایمان رکھنے، اسے سربلند کرنے اور اپنے آپ کو اس کے تابع کرنے میں شرم محسوس کرتے ہوں تو وہ سرے سے دین کی کھلی مخالفت شروع کر دیں ۔ ان کا یہ کام ہی نہیں کہ وہ اسلامیت کے نظامِ اجتماعیت کی تعمیر کے لیے

اینٹلیں گارا ڈھوئیں۔

کچھ اور لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کے اجماع کو نظام شریعت کے تفصیلی امور طے کرنے میں دستوری اتھارٹی مانا جائے۔ دوسرے معنوں میں قیاس و اجتہاد کرنے اور اجتہادی آرا پر اجماعی فیصلے مرتب کر کے نافذ کرنا یہ پارلیمنٹ کا کام ہو جس کے شرکا میں گھوڑا منڈی کا مال بھی ہو، جس میں شرابی بھی شامل ہوں، ہیروئن کے کاروبار میں خفیہ طور پر ملوث حضرات بھی ہوں۔ ڈاکوؤں کی حکومت در حکومت سے جن کی سانٹھ گانٹھ بھی ہو۔ جو وڈیروں کے ایجنٹ بھی ہوں، جن کا انتخاب علم اسلام اور اسلامی اخلاق کے معیارات کے مطابق نہ ہوا ہو۔ جو روپیہ خرچ کر کے، سیاسی غل غپاڑہ کر کے، پبلک کو دل کش نعروں اور وعدوں سے دھوکا دے کر آئے ہوں، اور حکومت کو مارکیٹ سمجھتے ہوں جہاں سے انہیں کمائی کر کے لے جانی ہے اور اقتدار میں اپنے حصے کو اس بات کا ذریعہ سمجھتے ہوں کہ سرکاری محکموں، اداروں اور افسروں اور ملازموں سے اپنے جائز اور ناجائز کام نکلوائیں۔ کیا ایسے لوگ جمع ہو کر دین کی خدمت کریں گے، دینی علوم اور قانونِ شریعت پر ریسرچ کریں گے، بحث و تمحیص میں قانون کے لفظوں کی لغوی، قواعدی اور تفسیری تفصیلات، نظائر، سابق تحقیقاتوں کے نتائج اور ان کے باریک اختلافات کی حوالوں اور مآخذ سے باقاعدہ پیش کش کر سکیں گے؟

کھلے میدان میں بغیر پابندیوں کے اپنے دل سے قانون سازی کرنا اور چیز ہے اور لیکن قرآن کے منشاء، رسالت کی عملی توضیحات اور خلفائے راشدین کے نمونے اور پورے دَور کے محققین کے سرمایۂ کاوش کو سامنے رکھ کر خدا و رسولؐ کی مرضیات کو پورا کرنا اور شے ہے۔ یہاں پارلیمانی اکثریت کے فیصلے کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ خدا و رسول کے نصوص کے صحیح ترین تقاضے پورے ہو رہے ہیں۔ اور عملاً یہ سب اسلام ہے اور دین ہے جو پارلیمنٹ نافذ کر رہی ہے۔ گویا پارلیمنٹ کے لوگ اپنے علم و کردار کی پستیوں کے باوجود کچھ تو قرآن کی تشریح میں رسولؐ کا مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں اور

کچھ خلفائے راشدین اور صحابہ عدول کا جن کی شان حضورؐ نے مقرر کی بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمُ اِهْتَدَیْتُمْ ___ کیا آپ کا مقام قوم یہ تسلیم کر لے گی کہ آپ میں سے جس کا دامن تھام لیا بیڑا پار ہے۔

اس سے نیچے اُتر کر آپ قاضی شریح، قاضی ابویوسفؒ، امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ فقہاء و محدثین سب کا مرتبہ، آپ ان کی خدمات کو کالعدم کر کے اور ان سے استفادہ کا دروازہ بند کر کے اپنے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ساری پارلیمنٹ مل کر بھی امام ابوحنیفہؒ قاضی ابویوسفؒ، یا امام شافعیؒ یا ابن تیمیہؒ میں سے کسی کی جگہ لینا تو کجا، آپ اُن کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ قیاس و اجماع اور اجتہاد کیا ہوتا ہے۔ اور کیسے کیا جاتا ہے، اور اس کے لیے مآخذ کیا ہیں، نظائر کی کیا اہمیت ہے۔ آپ نے تو اس عظیم ذمہ داری کو بچوں کا کھیل سمجھا ہے جس کے لیے کسی صلاحیت و اہلیت اور کسی معیارِ انتخاب کی ضرورت نہیں۔

اقبال نے بات اسمبلیوں کے اجتہاد کی ضرور چھیڑی تھی اور مصطفےٰ کمال سے اُمیدیں لگائی تھیں۔ مگر وہ تجربہ ناکام ہوا اور خود علامہ نے لکھا کہ وہ سپاہیوں کی قوم ہے، اس کے لیے ممکن نہیں کہ وہ تشریعی کاوشیں کر سکے۔ چنانچہ ان کے سامنے اُس اہلیت کا سوال آ گیا جو اجتہاد و قیاس کے لیے ضروری ہے۔ اس کے لیے انھوں نے پھر خود ہی متبادل تجویزیں غور کے لیے رکھیں۔ ایک یہ کہ پارلیمنٹ کے اندر ہی ایک خاص تعداد میں علماء کو منتخب کر دیا جائے۔ لیکن وہ ایک اقلیت ہوتے ہوئے آج کل اسلام گریز طبقوں کی اکثریتوں کے درمیان کیسے کوئی چیز منوا سکیں گے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ تو تھیاکریسی ہے۔ اقبال نے ایران کی طرز پر علماء کے ایک الگ گروہ کی بات بھی کی، اُس پر اور زیادہ اعتراض وارد ہوتا تھا۔ اور یہاں تقریباً ایران سے ملتا جلتا طریقہ اختیار کیا گیا۔ وہ بھی اسی صورت میں موثر ہو سکتا تھا کہ کوئی مضبوط سربراہ ریاست یا قائد حکومت اسلامی رہنمائی کے قائم کردہ ادارے کی سفارشات کو جاری کر سکے۔

بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یا تو مارشل لا ہو یا جمہوریت کے پیرائے میں فسطائی نظام ۔ یہ دونوں صورتیں بھی قابلِ قبول نہیں ۔

پھر ؟ ——— پھر یہ کہ موجودہ طرز کے لادین جمہوری سیٹ اپ اور اس جمہوریت کے شیدائیوں کی مزاحمت کے سبب نفاذِ اسلام کے لیے اجتہادی عمل جاری کرنے کا کوئی مناسب اور قابلِ اعتماد انتظام نہیں کیا جا سکتا ۔

ہاں اس نظام کو توڑ کر اگر ووٹر کا معیار ، اور اس سے زیادہ اُمیدواروں کا معیار اور اس سے زیادہ وزرا اور سیکرٹریوں اور مشیروں کا کردار بروئے قانون طے ہو ۔ اور اس کی جانچ کے لیے چھلنیاں لگی ہوں ۔ تو پھر یہ ممکن ہے کہ پابندی سے علمِ دین رکھنے والے (چاہے وہ وکلا میں سے ہوں یا سیاسی لیڈروں میں سے تیاری کر کے آجائیں) اور دیانت دارانہ اسلامی کردار رکھنے والے لوگ اسمبلیوں میں آئیں ، اور ہر تجویز یا ترمیم یا اختلاف کے لیے شرعی نصوص ، تشریعی دلائل اور سابق تحقیقی نظائر کے ساتھ گفتگو کریں ۔ تب کچھ صورت بن سکتی ہے ۔ عام لیڈروں اور واعظوں اور وکیلوں ، صحافیوں اور شاعروں کے (شرعی طور پر غیر وقیع) مقولات اجتہادی بحثوں میں نہیں لائے جا سکتے ۔

بطور حرفِ آخر عرض ہے کہ شریعت کا قافلہ جس وادیٔ پُرخار سے گذر رہا ہے ، اس سے باہر آجانے کے بعد نجانے اس کا رنگ روپ کیا ہوگا ۔ کیا وہ اسلام اور شریعت سے ایک نیا مذاق ثابت ہوگا ، یا فی الحقیقت پرچمِ اسلامی کی سربلندی کے مناظر سامنے آئیں گے ؟ مزاحمتی طاقتیں اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے اور اس کا حلیہ بگاڑنے اور اس کے قیمتی نتائج ممکنہ کو برباد کرنے کی کوشش کریں گے ۔

کیا بنے گا اور کیا ہوگا ؟

اس کا جواب میاں نواز شریف ، آئی جے آئی اور پارلیمنٹ ہی کے ذمے ہے ۔

ہماری دعا ہے کہ خدا کرے اطاعتِ خدا و رسولؐ کی کوئی بہتر راہ نکلے تاکہ ہم اس عذاب سے بچ سکیں جو مختلف صورتوں میں ، مختلف اطراف سے ہم پر لٹکا ہوا ہے ۔